گلگت و بلتستان کی بحث، مسئلہ کشمیر پر اثر

پروفیسر خورشید احمد، سلیم منصور خالد

یہ امر واقعہ ہے کہ جلد بازی میں اور خوب سوچ بچار کے بغیر مسلط کیے گئے فیصلے قوموں اور ملکوں کی زندگی پر دُوررس منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یوں بظاہر کوئی چھوٹا سا فیصلہ بعض اوقات ملکوں کے مستقبل کا نقشہ بدل دیتا ہے۔ جموں وکشمیر کا قضیہ، جدید بین الاقوامی تعلقات کی دنیا میں ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے۔ اقوام متحدہ کی بے بسی، عالمی طاقتوں کی ظالمانہ لاتعلقی اور بھارت کی عہد و پیمان شکنی اور کشمیر کے مظلوم عوام پر بدترین فوج کشی نے دنیا کے سامنے ایسا منظر پیش کیا ہے، جس پر ہر دردمند انسان خون کے آنسو روتا ہے۔

بھارت میں برسراقتدار راشٹریہ سوامی سیوک سنگھ (آر ایس ایس) اور بی جے پی کی نسل پرست فسطائی حکومت نے اس ماحول کو حددرجہ دردناک بنا دیا ہے۔ اسی پس منظر میں عالمی اداروں کی بے حسی سے شہ پا کر بھارتی حکومت نے ۵/اگست ۲۰۱۹ء کو ایک تباہ کن یلغار کے ذریعے پورے جموں وکشمیر کو ایک قتل گاہ اور بدترین بڑی جیل میں تبدیل کر دیا۔ اس جارحیت پر حکومت پاکستان کی ذمہ داری تھی کہ پوری قوت سے مسئلے پر عالمی رائے عامہ کو متحرک کرتی۔ مگر روایتی سستی اور ترجیحات کی دیرینہ خرابی آڑے آئی۔ بجائے اس کے کہ بھارتی عہد شکنی اور جموں وکشمیر کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی روش کے خلاف سراپا احتجاج بن کر دنیا کو ہم نوا بنایا جاتا، پاکستان میں ایک دوسرا ہی منظر ابھرتا دکھائی دیتا ہے، اور وہ ہے شمالی علاقہ جات، یعنی گلگت و بلتستان کو پاکستان کا عارضی

صوبہ بنانے کا خطرناک منصوبہ۔ اس ضمن میں ہم نہایت دردمندی سے برسرِ اقتدار اور فیصلہ سازی کے ذمہ دار سرگرم افراد اور اداروں کو متنبہ کرتے ہوئے، بلاکم و کاست اپنی رائے پیش کر رہے ہیں:

- تمام بین الاقوامی، سیاسی، تاریخی اور جغرافیائی شواہد کے مطابق شمالی علاقہ جات، ریاست جموں و کشمیر کا حصّہ ہیں۔ جموں و کشمیر ایک ایسی وحدت ہے جس میں لداخ، جموں، وادیِ کشمیر اور شمالی علاقہ جات شامل ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت سے لے کر آج تک، پاکستان کا یہی موقف ہے۔ پاکستان کی سپریم کورٹ نے بھی اسی پوزیشن اور قومی اتفاق رائے کی بات کی ہے، اور آزاد کشمیر اسمبلی نے تو ۲۰۱۴ء میں ایک متفق علیہ قرارداد کے ذریعے نہ صرف اس کا اعتراف و اظہار کیا ہے، بلکہ اسے پاکستان اور کشمیری عوام کی جانب سے مسئلہ کشمیر پر موقف کا لازمی حصّہ قرار دیا ہے، نیز اسی موقف کو اقوام عالم اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے تسلیم کر رکھا ہے۔
- ۱۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ۲۲۸ ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے، تب پاکستان کے وزیرخارجہ سر ظفراللہ خاں نے کہا تھا:

The population of Kashmir is distributed community as follows: in Kashmir proper, apart from Jammu, 93.5 percent are Muslims. 62 percent of the population of Jammu are Muslims. Gilgit, which is the high mountain in region is entirely Muslim. The total area of the state, which is largely composed of high mountains and barren hills, is 82000 square miles.

کشمیر کی آبادی اس طرح سے ایک منقسم آبادی ہے: جموں کے علاوہ کشمیر میں ۹۳٫۵ فی صد مسلمان ہیں۔ جموں کی ۶۲ فی صد آبادی مسلمان ہے۔ گلگت جو بلند پہاڑی خطہ ہے، مکمل طور پر مسلمان ہے۔ ریاست کا کُل رقبہ جو بڑے پیمانے پر اُونچے اور بنجر پہاڑوں پر مشتمل ہے، ۸۲ ہزار مربع میل ہے۔

- ریاست جموں و کشمیر کے شمالی علاقہ جات ۷۲ ہزار ۹ سو ۷۱ مربع کلومیٹر سے زیادہ وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں، جن کی آبادی ۱۸ لاکھ ہے۔ اور جب بھی جموں و کشمیر میں استصواب رائے ہوا، تو یہ سبھی ووٹ ان شاءاللہ، پاکستان سے الحاق کے حق میں جائیں گے۔

- پیپلز پارٹی کے چوتھے دورِحکومت (۲۰۰۸ء-۲۰۱۳ء) میں صدر آصف علی زرداری صاحب نے اگست ۲۰۰۹ء کے دوران میں 'گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورنس'، کے نام سے داخلی خودمختاری، کا حکم نامہ جاری کیا۔ اس حکم نامے کے تحت 'شمالی علاقہ جات' کو 'گلگت بلتستان' کا نام دیتے ہوئے، گورنر اور وزیراعلیٰ کے انتظامی عہدے تفویض کیے، جب کہ قانون سازی و مالیاتی اختیارات اس کی مجوزہ منتخب اسمبلی کو دیے گئے، اور اس کی کونسل کا چیرمین وزیراعظم پاکستان کو قرار دیا گیا۔

ذرا پیچھے چل کر دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۷۲ء میں 'شملہ معاہدے' کے بعد بیوروکریسی نے تب صدر پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو بھی یہ تجویز دے کر قائل کرلیا تھا کہ ''گلگت بلتستان کو الگ صوبہ بنایا جائے''۔ لیکن جیسے ہی انھوں نے اس تجویز پر عمل درآمد کے منفی اثرات پر جوابی دلائل سنے تو اس تجویز پر پیش رفت روک دی۔ اب انھی سے وابستگی کی دعوے دار پارٹی ایک غلطی کرنے کے بعد، اپنی غلطی کا ازالہ کرنے سے گریز کررہی ہے۔

- جلدبازی میں اٹھائے گئے اس قدم پر آزاد کشمیر، مقبوضہ جموں وکشمیر اور خود شمالی علاقہ جات کی بیش تر سیاسی وسماجی پارٹیوں نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا۔
- حکومت پاکستان نے، خود پاکستان کے کئی علاقوں کی طرح، اس علاقے کے لوگوں کے بھی سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی اور صحت عامہ کے حقوق کی بجاآوری سے پہلوتہی کا رویہ اختیار کیے رکھا تھا۔ جب یہاں کے شہری معاشی تنگ دستی پر چیخ اُٹھے تو اس کا ملبہ آزاد کشمیر حکومت پر ڈال دیا، اور یہ فلسفہ تخلیق کیا گیا کہ 'پاکستان اس علاقے کو ضم کرے گا تو سماجی، عدالتی، دستوری اور معاشی حالات بہتر ہوجائیں گے'۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بے معنی اور بودا عذر تھا۔ پیپلز پارٹی حکومت کے عاجلانہ فیصلے کے گیارہ برس گزرنے کے باوجود، وہاں حالات جوں کے توں ہیں۔ حکومت کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ آزاد کشمیر اور اس سے وابستہ شمالی علاقہ جات کی تعمیر وترقی کے لیے آزاد کشمیر کی فراخ دلانہ مدد کرتی، لیکن افسوس کہ کم وبیش ہر حکومت نے اس معاملے میں سردمہری کا رویہ اختیار کیا، اور بجائے اس کے کہ خرابی کو دُور کیا جاتا،

ایک غلط راستے پر چلنے کے حیلے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیے۔

- بلاشبہہ گلگت بلتستان اور اس کے ساتھ آزاد کشمیر کے سبھی حصوں کے احساسِ محرومی کو ختم ہونا چاہیے۔ لیکن خاص طور پر اس علاقے کی معاشی محرومیوں کو دُور کرنے کے نام پر اختیار کیا جانے والا یہ ایک انتہائی نامناسب راستہ ہوگا، جس سے مسئلہ کشمیر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔ سوال یہ ہے کہ قضیۂ کشمیر اور اس کے بارے میں پاکستان کے اور اسٹرے ٹیجک موقف کو نقصان پہنچائے بغیر یہاں کے عوام کو معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر کیوں اُوپر نہیں اُٹھایا جاسکتا؟ اگر پس ماندہ علاقوں کی بہتری کے نام پر دستورِ پاکستان سے ہٹ کر حل تلاش کرنے کے لیے ایسی روایت اپنا لی گئی تو معاملات گرفت سے باہر نکل جائیں گے۔ جس طرح آزاد کشمیر پاکستان کا حصّہ نہیں بلکہ وہ مسئلہ حل ہونے تک پاکستان کی زیرنگرانی ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ اسی طرح گلگت بلتستان بھی آزاد کشمیر کا حصّہ ہونے کی حیثیت سے یہی مقام رکھتا ہے، اور ان کے مستقبل کا فیصلہ مسئلہ کشمیر کے حل سے منسلک ہے۔
- پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ 'عالمی مالیاتی ادارے یا بڑے سرمایہ کار یہاں سرمایہ لگانے سے گریزاں ہیں۔ ان کا اعتراض دُور کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے'۔ یہ عذر تو حددرجہ پست ہے۔ کیا کسی معاشی منصوبے کی تکمیل کے لیے ملک کے سیاسی اور تاریخی موقف کی قربانی دینا کوئی معقول راستہ ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ سرمایہ کاری کو قومی مفاد کے تابع رکھتے ہوئے قابلِ قبول بنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے اَن تھک سفارتی، مذاکراتی اور علمی سطح پر تگ ودو کی ضرورت ہے، اور یہ کام ہماری اعلیٰ سول اور سیاسی قیادت کو کرنا چاہیے۔

مسئلے کی نزاکت اور غور طلب پہلو

یہ ہے وہ پس منظر، جس میں گذشتہ چند ہفتوں سے راولپنڈی میں چیف آف دی آرمی اسٹاف کی زیرصدارت پاکستان کی سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں سے مذاکرات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جس میں جموں وکشمیر کے شمالی علاقہ جات، یعنی گلگت بلتستان کو عبوری طور پر پاکستان کے پانچویں صوبے کی شکل دینے کی تجویز پر عملاً ڈکٹیشن دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ہم یہ اُمور

وضاحت سے بیان کرنا چاہتے ہیں:

- یہ بات صاف لفظوں میں ہر خاص و عام پر واضح رہنی چاہیے کہ پاکستان میں کاروبارِ ریاست وحکومت انھی اصولوں کے مطابق چلایا جائے گا، جو دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں طے شدہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اس نوعیت کے امور منتخب حکومت، پارلیمنٹ اور دستور کے تابع زیر بحث آئیں گے اور تمام اداروں کو اپنے حدود کار میں ریاست اور قوم کی خدمت کی بجا آوری کرنا ہوگی۔ انتظامیہ، مقننہ، عدلیہ، عسکری اداروں اور سول ملازمین کو متعین شدہ دائرے میں خدمات انجام دینا ہوں گی، اور اسی چیز کا حلف، دستور کے مطابق سبھی ذمہ داران ریاست نے اٹھایا ہے۔
- چیف آف دی آرمی اسٹاف، دفاع وطن کے حوالے سے ایک بڑے محترم اور حددرجہ حساس منصب پر فائز ہیں۔ انھیں سیاسی امور کی بحثوں میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اپنی آرا، وزارت دفاع کی وساطت سے یا دستور میں طے شدہ سلامتی کے اعلیٰ فورم کے ذریعے حکومت کو پیش کرنی چاہییں۔ پھر ان اُمور کو طے کرتے وقت حکومت، وزارتِ خارجہ، وزارتِ داخلہ اور وزارت قانون کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمت عملی طے کرتے وقت بجاطور پر مسلح افواج کے مشوروں اور آرا کو بھی زیرغور لائے اور کھلے عام بحث کے بعد مناسب فیصلے کیے جائیں، جن پر ان کی روح کے مطابق، مگر لازمی طور پر دستورِ پاکستان کے دائرے میں رہتے ہوئے عمل کیا جائے۔
- اس ضمن میں بعض 'دانش مندوں' کا یہ کہنا کہ ''قومی مسلح اداروں نے تو اس معاملے میں محض سہولت کاری کی ہے، کیونکہ حکومت اور اپوزیشن میں کھلا مکالمہ نہیں ہو رہا''۔ یہ بہت عجیب اور نہایت کمزور مفروضہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کل سپریم کورٹ اپنا کام چھوڑ کر سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں سے مذاکرات کر کے کسی 'اتفاق رائے' کو ڈھونڈنے نکلے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر بدقسمتی سے موجودہ حکومت ضد اور اَنا کے باعث اپنی منصبی ذمہ داری ادا کرنے، سب کو سننے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے سے معذور ہے تو اس کا حل نئے قومی انتخابات ہیں نہ کہ ریاستی آئینی ڈھانچا تلپٹ کر دینا اور غیرآئینی روایات قائم کرنا کوئی معقولیت ہوگی۔

- ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسئلہ کشمیر کے 'جوں کے توں' (stand still) منظرنامے کو تبدیل کرنا اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا، بھارتی منصوبہ سازوں کی پرانی خواہشات کی تکمیل ہوگا۔ پاکستان کا اصولی موقف یہ ہے کہ ''اقوام متحدہ کی متفقہ قراردادوں کے مطابق جموں وکشمیر کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے''۔ البتہ بھارت کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ ''پاکستان، اقوام متحدہ کی قراردادوں سے سرِمو انحراف کرکے، جموں وکشمیر کی وحدت کے ٹکڑے بانٹنے کی میز سجائے''۔ پاکستان نے بھارت کی اس چال کو ہمیشہ ناکام بنایا اور بھارت نے ہر بار یہی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان، سلامتی کونسل کی قراردادوں کے متن سے باہر نکلے اور پھر بھارت یہ اعلان کرے کہ ''پاکستان نے قراردادوں سے دست برداری اختیار کر لی ہے''۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پاکستان کے اصولی موقف کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا، بلکہ موقف سرے سے ختم ہوجائے گا۔
- اگرچہ پاکستان کے بعض عجلت پسند سفارت کاروں نے مختلف اوقات میں مسئلہ کشمیر پر نہایت خطرناک بیان دیے، لیکن ان افراد کی حماقتوں پر پاکستان کے فوجی آمر جنرل پرویز مشرف صاحب بازی لے گئے۔ انھوں نے ۱۸ دسمبر ۲۰۰۳ء کو عالمی نیوز ایجنسی رائٹرز سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''پاکستان، اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ایک طرف رکھ کر بھارت سے مسئلہ کشمیر پر بات چیت کرنا چاہتا ہے''، اور پھر اسی آمر مطلق اور خودساختہ حاکم نے پاکستان آبزرور کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا: ''میں نے بھارتی وزیرخارجہ نٹور سنگھ سے کہا ہے کہ آیئے، مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے سانچے سے باہر رکھ کر ایک سال کے اندر حل کر دیتے ہیں''۔ جواب میں نٹور سنگھ نے کہا: ''ہم کو اس قدر جلدی نہیں ہے''۔ (روزنامہ پاکستان آبزرور، ۳۱ جولائی ۲۰۰۵ء)۔ اسی احمقانہ مہم جوئی کو تب وزیرخارجہ خورشید محمود قصوری صاحب نے 'آؤٹ آف باکس' کوشش قرار دیا۔ حالانکہ پاکستان کے کسی بھی حاکم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے، کشمیر کے عوام کو نظرانداز کرکے ایسا کوئی قدم اٹھائے، کوئی عہدوپیمان کرے جو مسلّمہ موقف کے برعکس ہو۔
- جنرل پرویز مشرف نے نہ صرف ایسے بیانات دے کر، بلکہ جموں وکشمیر کے متنازع علاقے

میں بھارت کو باڑ لگانے کی اجازت دے کر، اور عملاً بھارتی فوج کی مدد کر کے کشمیر اور پاکستان کے عوام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ افسوس کہ اسی نوعیت کی منصوبہ سازی اب گلگت بلتستان کی 'معاشی بہتری' وغیرہ کے نام سے نئے صوبے کی صورت میں سامنے آرہی ہے۔ جنرل مشرف کا قدم مسئلہ کشمیر کی اصولی حیثیت پر خودکش حملہ تھا، تو اب دباؤ ڈال کر یہ فیصلہ لینا، پاکستان اور کشمیری عوام کی تاریخی جدوجہد سے غداری کی طرف لے جائے گا، جس سے واپسی کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

- اس منصوبے کے پیش کاروں کی طرف سے یہ ایک بالکل بے معنی عذر پیش کیا جا رہا ہے: ''سی پیک'' (چین پاک معاشی راہداری) کے لیے چین بھی یہ چاہتا ہے کہ شمالی علاقہ جات کو یک طرفہ طور پر پاکستان کا حصّہ قرار دیا جائے''۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عوامی جمہوریہ چین کے پالیسی ساز ایسا غیر منطقی اور غیر آئینی مطالبہ نہیں کر سکتے کہ جس سے پاکستان کے قومی مفادات پر ضرب کاری لگے اور جموں و کشمیر کی ۷۳ سال پر پھیلی طویل، دلیرانہ جدوجہد اور مظلومانہ قربانیوں کی تاریخ دریابرد ہو جائے۔ آخر 'شاہراہ قراقرم' (KKH) اسی 'جوں کی توں' صورت حال میں جموں و کشمیر کے متنازع علاقے سے گزر رہی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس 'شاہراہِ قراقرم' سے بہتر شاہراہ کی تعمیر نے کون سے اور کس طرح سے نئے تقاضے لا کھڑے کیے ہیں کہ بین الاقوامی اور قومی معاملات کو تہہ و بالا کر دیا جائے؟ یاد رہے ۲۰۰۹ء میں عوامی جمہوریہ چین نے کشمیری باشندوں کی چین آمد کے لیے اپنی ویزہ پالیسی تبدیل کرتے ہوئے فیصلہ کیا تھا، ''جموں و کشمیر کے لوگ بھارتی پاسپورٹ کے بجائے سادہ کاغذ پر حلف نامے کے ذریعے چین کا ویزا لے سکتے ہیں''۔ اس پر بھارتی حکومت نے احتجاج کیا تو چین نے بڑا مختصر جواب دیا: ''کشمیر ایک متنازع علاقہ ہے، جو بھارتی یونین کا حصّہ نہیں ہے'' (روزنامہ The Nation، ۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء)۔
- اگر پاکستان کے مقتدر حلقوں نے، گلگت بلتستان کو صوبائی درجہ دے کر عارضی [اور پھر مستقل] صوبہ بنانے کا فیصلہ کر لیا، تو اس طرح بین الاقوامی سرحد تبدیل ہو جائے گی، جس کے نتیجے میں پوری لائن آف کنٹرول، خودبخود بین الاقوامی سرحد میں ڈھل جائے گی۔

اس صورت میں سارے علاقے سے اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین ہٹ جائیں گے، اور ان مبصرین کو ہٹانا بھارت کا پرانا مطالبہ ہے۔ یہ سب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۹۱ (۱۹۵۱) اور قرارداد ۱۲۲، ۱۲۶ (۱۹۵۷) کے یکسر منافی ہوگا، جو سلامتی کونسل کی قراردادوں کے انہدام کا سبب بنے گا۔ اس کے ساتھ ہی بھارت بھی مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتِ حال پر عالمی عہدوپیمان کو یکسر توڑنے کا اعلان کر کے، مقبوضہ کشمیر کو اپنا حصّہ بنانے اور آزاد کشمیر پر دست درازی کے جواز کے لیے حکمت عملی وضع کرے گا۔ پاکستان اپنی ناقابلِ فہم عجلت پسندی سے بین الاقوامی تحفظ کے تمام وعدوں سے بھی محروم ہوجائے گا۔ یوں ایک گناہ بے لذت کے طور پر کشمیر کا مسئلہ، بھارتی خواہشات کے مطابق، ٹکڑے ٹکڑے ہوکر دفن ہوجائے گا۔

- ایک مغالطہ یہ بھی پھیلایا جاتا ہے کہ 'بھارت نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے برعکس رویہ اختیار کر کے کشمیر کی انتظامی اور آئینی حیثیت کو تبدیل کر دیا ہے، تو جواب میں اگر پاکستان بھی آزاد کشمیر کے ایک محدود علاقے میں ایسا کچھ کر لے تو کون سی قیامت آجائے گی؟'' یہ مفروضہ بھی سخت شرانگیزی کا شاخسانہ ہے۔ جہاں تک بھارت کا تعلق ہے تو وہ یک طرفہ طور پر بین الاقوامی عہدوپیمان سے رُوگردانی کر رہا ہے، مگر اس کے ایسے منفی رویے سے قراردادیں اور عالمی فیصلے تبدیل نہیں ہوئے۔ لیکن جب دوسرا فریق بھی اسی عہدشکنی کا راستہ اختیار کرے گا تو قراردادوں کی بنیاد ڈھے جائے گی اور عالمی عہدوپیمان کی ساکھ ختم ہوجائے گی۔ مسئلہ کشمیر کی متنازع بین الاقوامی حیثیت صرف اور صرف تقسیم ہند کے اصولوں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بنیاد پر قائم ہے، اور بھارت یہ چاہتا ہے کہ ان بنیادوں کو ختم کر دیا جائے۔
- جموں وکشمیر کی وحدت پر اس دست درازی کو زیر بحث لاتے ہوئے کشمیر کی مزاحمتی قیادت، جس میں سیّدعلی شاہ گیلانی، محمد یاسین ملک، میرواعظ عمر فاروق اور دوسرے محترم قائدین شامل ہیں، ان سب کی متفقہ رائے ہے کہ ''گلگت بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کی کوئی بھی تجویز ناقابلِ قبول ہے۔ کیونکہ یہ قدم جموں وکشمیر کی وحدت اور بین الاقوامی پوزیشن کو تبدیل کرنے کے مترادف ہوگا''۔ اسی طرح آزاد کشمیر کی قیادت، جس میں مسلم لیگ نون،

مسلم کانفرنس، پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی شامل ہیں، انھوں نے ۲۰۱۴ء میں آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی میں متفقہ قرارداد منظور کر کے اس 'پانچویں صوبے' کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا۔ اگر بھارت نے دھونس جما کر ایک غلط قدم اُٹھایا ہے تو اس کی غلطی کے جواب میں پاکستان کی جانب سے غلطی کا ارتکاب کہیں زیادہ بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔

- ہم ذرا ماضی میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکتوبر ۲۰۱۵ء میں نون لیگ حکومت کی قائم شدہ 'سرتاج عزیز کمیٹی' نے 'گلگت بلتستان کی پاکستان میں اس طرح شمولیت کی تجویز دی تھی کہ ''این ایف سی، ایکنک وغیرہ کے ساتھ پاکستانی پارلیمنٹ میں بھی یہاں سے نمایندے لیے جائیں اور دیگر صوبوں کے مساوی حیثیت دی جائے''۔ یوں پانچویں صوبے کا غلغلہ بلند ہوا، تو جموں وکشمیر کے طول وعرض میں اضطراب پھیل گیا اور کشمیری قیادت کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آیا۔ جواب میں وزیراعظم محمد نواز شریف نے ۱۶ مارچ ۲۰۱۶ء کو جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین محمد یاسین ملک کے نام خط میں وضاحت کی: ''پاکستان، گلگت بلتستان سے وابستہ حساس اُمور سے پوری طرح واقف ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان، جموں وکشمیر کے تنازع پر اپنے اصولی موقف پر کبھی سمجھوتا نہیں کرے گا، وہی موقف کہ جو سلامتی کونسل کی قراردادوں پر مبنی ہے''۔ [1]
- پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲۵۷ میں قومی پالیسی اور اس کے بنیادی اجزا کو نپے تلے الفاظ میں درج کر دیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں گلگت اور بلتستان کو کسی شکل میں بھی پاکستان کا ایک صوبہ بنانا، اور وہاں سے پارلیمنٹ میں نام نہاد نمایندگی دینا، دستورِ پاکستان کی کھلی کھلی مخالفت اور قضیۂ کشمیر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہوگا۔ دستور کے الفاظ ہیں:

---

[1] یہ بہت عجیب معاملہ ہے کہ سابق وزیراعظم محمد نواز شریف صاحب نے ۲۰ ستمبر ۲۰۲۰ء کو حزبِ اختلاف کی کُل جماعتی کانفرنس میں اپنی آدھ گھنٹے کی تقریر میں اس پہلو پر بات تک نہیں کی۔ اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات، کانفرنس کے مشترکہ اعلامیہ میں یہ مبہم جملہ ہے: ''قومی اتفاق رائے سے گلگت و بلتستان کو قومی و سیاسی دھارے میں شامل کرنے کے لیے اقدامات اُٹھائے جائیں''۔ (روزنامہ جنگ، ۲۱ ستمبر ۲۰۲۰ء)۔ مطلب یہ کہ حزبِ اختلاف نے مسئلے کی سنگینی کو بہت سرسری انداز سے لیا ہے اور قومی پالیسی سے ٹکراتا اشارہ دیا ہے، جس کی فوری اصلاح ہونی چاہیے۔

''جب ریاست جموں وکشمیر کے عوام پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کریں گے، تو پاکستان اور اس ریاست کے درمیان تعلقات، اُس ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق طے کیے جائیں گے''۔

۱۹۷۳ء کے دستور پاکستان میں درج یہی الفاظ، ۱۹۵۶ء کے دستورِ پاکستان میں بھی شامل تھے۔ اس تسلسل سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر ایک متنازع اور ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھارت نے نام نہاد الحاق کے نام پر اپنے دستور میں جموں وکشمیر کے بارے میں دفعہ ۳۷۰ رکھی، تو پاکستان نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھی اس بھارتی اندراج کو تسلیم نہیں کیا، اور اسے متنازع علاقہ قرار دیتے ہوئے پاکستان، بھارت اور کشمیری عوام کا مشترکہ مسئلہ قرار دیا۔

- پاکستان کی حکومت، پارلیمنٹ اور تمام ریاستی ادارے اس امر کے پابند ہیں کہ دستوری طور پر طے شدہ وعدے کے مطابق، مسئلہ کشمیر اور اس سے منسلک علاقوں کے مستقبل کا فیصلہ جموں وکشمیر پر مشتمل وحدت کی مرضی کے مطابق حل کرنے میں مدد دیں، اور اس عہدوپیمان کا احترام کریں۔ پاکستان اور بھارت دونوں مل کر یا الگ الگ، جموں وکشمیر کے مستقبل کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں، تاآنکہ جموں وکشمیر کے مسلّمہ شہری ایک آزادانہ استصواب رائے سے اپنی مرضی کا فیصلہ کریں۔

اندریں حالات، ہم پاکستان کی سیاسی و دینی جماعتوں کے ساتھ ساتھ، ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران اور دانش وروں سے اپیل کریں گے کہ وہ پاکستانی حکومت اور پاکستانی اداروں کو دستور اور قانون کا پابند بننے پر مجبور کریں اور جو سیاسی پارٹیاں اپنے غیر دانش مندانہ فیصلوں کے تحت محدود سیاسی فائدے کی اسیر ہیں، انھیں اپنی نامناسب پالیسی پر نظرثانی کرنے کا درس دیں۔ اگر آج روایتی کاہلی اور عجلت پسندی سے معاملات کو بگاڑا گیا تو آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔